Woodbrooke Series No. 27

THE PROBLEM OF EVIL

By
(Prof. Lootfy Levonian)

مسئلہ بُرائی یا گناہ

مُصنّفہ
پروفیسر لطفی لیوونیان صاحب
مُقیم بیروت

پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی
انارکلی لاہور

بار اوّل　　۱۹۵۱ء　　تعداد ۱۰۰۰

P. R. B. S. Anarkali,
LAHORE.

مسئلہ بُرائی یا گُناہ

۱- مسئلہ:- تمام مسائل میں سب سے حقیقی اور اصلی مسئلہ بُرائی ہے ہمیشہ یہ سوال کیا جاتا ہے۔ کہ دُنیا میں بُرائی کیوں ہے؟ انسانی زندگی میں گُناہ نے کس طرح دخل پایا؟ اس کا منبع کیا ہے؟ کیا یہ تعمیرِ عالم میں ایک عنصر کی طرح موجود تھا؟ یا کسی طور سے بعد میں شامل کیا گیا؟ عرصہ دراز سے فلاسفر انہیں سوالات کے ذریعے اِس مشکل ترین مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش میں مصروف رہے ؞

تو بھی انسان کی نظر میں مسئلہ بُرائی کا مقصد اِس کے اصول کی نسبت کہیں زیادہ معمہ ہے۔ انسان جاننا چاہتے ہیں۔ کہ دُنیا میں گُناہ کیوں آیا؟ یہ کس لئے ہے؟ اِس کا کیا مقصد ہے؟ یہ سوال خاص کر ہمارے زمانے میں بہت حیران کُن اور پیچیدہ ہے۔ جبکہ بدی نے عالمگیر طور پر دُنیا کے گوشے گوشے میں زور پکڑ لیا ہے ؞

پس اِن سوالات کے دو پہلو ہمارے سامنے ہیں۔ پہلا تو قدیم ترین سوال اِس کے اصل کے بارے میں ہے۔ اور دوسرا مذہبی اور اخلاقی سوال جس کے مقصد اور معنی سے متعلق ہے ؞

۲- **انسان کے مذہبی ارتقاء کی تاریخ میں مسئلہ گُناہ:-** تہذیب کے ادنےٰ مدارج میں گُناہ کا وجود انسان کے لئے کوئی معمہ نہیں ہے جنگلی انسان کے نزدیک دُنیا کا تصور ظاہر پرستی کا ہے۔ وہ ارواح پر اعتقاد رکھتا ہے جن

میں بعض رُوحیں کریم النفس ہیں اور بعض خبیث۔ وہ اپنی زندگی کی برکات اور مسرتوں کو اچھی رُوحوں سے اور بُرائی کو بُری رُوحوں سے منسوب کرتا ہے۔ لیکن وہ کبھی ان بُری رُوحوں کے اصل اور وجود کے مقصد کے متعلق مزید تحقیق نہیں کرتا۔

اس کے بعد مذہب کے اصنام پرست درجے میں آدمی دو قسم کے دیوتاؤں پر یقین رکھتا رہا۔ یعنی اچھے اور بُرے۔ اچھا دیوتا فارغ البالی اور خوشحالی کا باعث تھا۔ اور بُرا دیوتا دُکھ اور مصائب بھیجتا تھا۔ مثال کے طور پر قدیم ایرانی مذہب میں اُہرمزد نیکی اور بھلائی کا دیوتا تھا اور اہرمن بُرائی کا۔ یہ دونوں لگاتار ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ لیکن یہ تشریح تسلی بخش نہ تھی۔ کیونکہ اوّل تو ثنویت یعنی دو یا اس سے زیادہ خداؤں کا عقیدہ۔ تمام عالم کے اعتقاد سے مناسبت نہیں رکھتا۔ ہم دو یا زیادہ خداؤں کو نہیں مان سکتے۔ اور دوم یہ نہ تو گناہ کے اصل اور نہ ہی اس کے مقصد کے متعلق کچھ تشریح کرتا ہے۔ کیونکہ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اہرمن کو کس نے تخلیق کیا اور کیوں۔

موحدانہ اعتقاد کے عروج کے ساتھ ہی بُرائی کا مسئلہ انسانی تخیل کے لئے نہایت سنجیدہ سوال بن جاتا ہے۔ توحید پرستی ایک خدا پر اعتقاد رکھنا ہے۔ جو دُنیا کا خالق اور سارے عالم کا حاکم ہے۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ پھر دُنیا میں ناموافق اور ناگوار عنصر کے وجود کا باعث کیا ہے۔ کیا سب کچھ جاننے والا خدا اگر چاہتا تو بدی کو روک نہ سکتا تھا۔ وہ اسے کیوں ہونے دیتا ہے۔ اگر وہ قادرِ مطلق ہے۔ تو اس کو مٹا کیوں نہیں دیتا؟

۳ ۔ اس سوال کے جواب میں کئی توحید پسند مذاہب نے بدی کی شخصی طاقت

یعنی شیطان یا ابلیس کے نظریہ کی تشکیل کی ہے۔ اور اسے دُنیا کی تمام بُرائیوں اور بدکاریوں کا موجب ٹھہرایا ہے۔ لیکن اس سے بھی اس مسئلہ کے سُلجھانے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ کیونکہ ہمیں مجبوراً پھر یہ پوچھنا پڑتا ہے۔ کہ ابلیس کیوں بُرا یا بدکار ہے۔ اور خدا نے کیوں اُسے ایسا کرنے دیا۔

انصاف اور راستبازی کے متعلق انسان کے اخلاقی شعور اور احساس کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔ عبرانیوں کے موحدانہ مذہب میں بھی یہی مسئلہ درپیش تھا۔ جیسا کہ اُن کے انبیا کے صحائف میں ظاہر کیا گیا ہے۔ خاص کر توریت میں ایوب کی اہم کتاب میں جہاں ہم ایک راستباز انسان کو اس سوال سے جدوجہد کرتے پاتے ہیں۔ یہاں ایوب اپنی دورانِ زندگی میں بہت ہی مصائب جھیلتا ہے۔ اور اس امر کو خدا کے انصاف اور راستبازی سے تطبیق نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ دریافت کرتا ہے۔ کہ کیوں وہ جو بذاتِ خود ایک راستباز انسان تھا۔ ان آلام کا شکار ہوا یہ کس طرح خدا کی راستبازی کے مطابق ہے۔ اور انبیا نے بھی اپنی تحریروں میں عبرانی لوگوں کے دُکھ اُٹھانے کے متعلق جو خدا کے چُنے ہوئے لوگ تھے یہی سوال کیا ہے۔

۴ ۔ یہ سوال خدا کے تصور کی روشنی میں اور بھی اہم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ نیکی۔ رحم اور محبت کا خدا ہے۔ اور ایسا آسمانی باپ ہے۔ جو تمام لوگوں کی مبارک حالی چاہتا ہے۔ دہریہ اور لاادری کے لئے یہ سوال پیچیدہ نہیں کیونکہ اگر خدا کا وجود ہے ہی نہیں۔ تو دُنیا میں کوئی نظم و نسق نہیں ہے۔ اس لئے سب کچھ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ نیچری اور مادہ پرست کے لئے جو قائم بذات کو نیکی اور بدی کے اختلافات سے بلند اور لاپرواہ تصور کرتا ہے

ایسے کسی مسئلہ کا وجود نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم یقین کرتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور وہ نیک ہے۔ تو مسئلہ گناہ ایمان کو مقابلہ کے لئے للکارتا ہے۔ ایک نیک خدا جو قادر ہے اور حکمت سے بھرپور کس طرح بدی کے وجود کی برداشت کر سکتا ہے۔ اور اُسے دنیا پر اپنی طاقت کو کام میں لانے کی اجازت دے سکتا ہے۔ یا تو ہم اِس عقیدہ کا ثبوت پیش کریں کہ یہ بہترین دنیا ہے۔ یا کم از کم یہ ثابت کر دیں کہ بُرائی کا وجود اُس خدا کے عقیدہ کے برخلاف نہیں۔ جو نیک ہے۔ اسی سلسلے میں ہم اِس حقیقت پر غور کریں۔ کہ جہاں بدی کا وجود خدا کے یقین کے لئے سب سے بڑی ذہنی رکاوٹ پیش کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ اُس کے وجود سے انکار ہے۔ تو بھی یہ امر حیرت انگیز ہے۔ کہ یہی خدا کی محبت یا تمنا کو دل میں بیدار کرنے کا بڑا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بُرائی یا گناہ خدا کے وجود کے خلاف عقلاً ایک ناقابلِ تعرض دلیل بن جاتا ہے۔ دُنیا میں بُرائی دیکھ کر ہم رنجیدہ اور پریشان ہو جاتے ہیں۔ تو بھی یہ حقیقت ہمیں خدا کی طرف دھکیل دیتی ہے۔ ہم بُرائی میں چاروں طرف سے گھرے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔ اور خدا میں پناہ لیتے ہیں۔ فی الحقیقت گناہ کا انسان کو دعوتِ مقابلہ دینا بھی ایک وجہ ہے۔ کہ کیوں انسان لاعلاج طور پر مذہبی ہو گئے ہیں ٭

۵۔ **مسئلہ گناہ پر فلسفیانہ نظریے**:۔ بعض فلسفیوں نے مسئلہ گناہ کو ایسے نظریوں سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ جو اس کی تشریح کرنے کے عوض اِس کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ ایسے دلائل پیش کرتے ہیں کہ گناہ محض ایک پیکر وہمی ہے جس کی کچھ حقیقت نہیں۔ مثال کے طور پر لیبنٹز (LEIBNITZ) اِس نظریہ کی تشریح یوں

کرتا ہے۔ کہ "دُنیا میں تمام بُرائیوں کا اصل وہ ادھورا پن ہے جو غیر مطلق انسانوں کو وراثت میں ملا ہے۔" وہ کہتا ہے۔ کہ "یہ ایک بہترین دُنیا ہے"۔ اور گناہ یا بُرائی صرف غیر مطلق انسانوں کی خامی یا ادھورا پن ہے۔ اِس طرح گناہ ایک منفی چیز بن گیا ٭

لیبنٹز نے اپنی اور کوششوں میں بھی گناہ پر اقلیت کا رنگ چڑھایا ہے۔ ہیگل (HEGEL) نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ارتقاءِ عالم میں گناہ بھی جائز اور معقول جگہ رکھتا تھا۔ اُس کے نظریہ کے مطابق بااختیار خود راستبازی اور حُسنِ سیرت کی ترقی کے لئے گناہ یا بُرائی ایک ضروری درجہ ہے۔ اِس لئے گناہ نقصان پورا کر دیتا ہے۔ اور کُل کی تکمیل میں اِس سے بہت مدد ملتی ہے۔ پس گناہ در پردہ نیکی بن جاتا ہے ٭

گذشتہ صدی کے برطانوی فلسفیوں میں بریڈلی (Bra.dly) اور پروفیسر بوسینکویٹ (Prof Bosanquet) نے یہی سلسلۂ خیال اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گناہ نیکی ہے۔ صرف اِس کا استعمال غلط جگہ کیا گیا ہے۔ گناہ کا کوئی ایسا عنصر نہیں۔ جو نیکی میں امدادی نہ ہو۔ اِس کا بھی وہی مصدر ہے جو نیکی کا ہے۔ پس گناہ انسانی زندگی میں جائز جگہ رکھتا ہے۔ نیکی اور راستبازی کی راہ گناہ میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایسی چیز ہے جسے نہ ہونا چاہئے تھا۔ بریڈلی اپنی مشہور کتاب اپیرنس اینڈ ریئلٹی (Appearance & Reality) یا فریبِ نظر اور حقیقت" میں اِس سے بھی آگے بڑھتا ہے۔ اور یہ دلیل پیش کرتا ہوا اِس سوال سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ کہ "بُرائی ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جو بلاشبہ بڑی مشکلات پیش کرتا ہے

لیکن اِس کو بدترین منسوب کیا گیا ہے مشکل تو اس خیال سے پیدا ہوتی ہے کہ واجب الوجود (خدا) ایک نیک سیرت ہستی ہے۔ اگر اس اصول سے شروع کریں تو واجب الوجود سے بُرائی کا تعلق ایک دم ایک ناقابلِ تسہیل دوہری مشکل پیدا کر دیگا۔ تب یہ مسئلہ لاینحل ہو جائیگا۔ ہر ایسے شخص کے لئے جو ہر ایک امر کو اُس کی اصلی صُورت میں دیکھنے کی عقل اور جرأت رکھتا ہے حقیقت میں کوئی سوال ہی نہیں جس پر بحث کی جائے۔ یہ دوہری مشکل اس وجہ سے لاینحل ہو جاتی ہے۔ کہ یہ تناقض بالذات پر مبنی ہے یعنی یہ مفروضہ کہ واجب الوجود صحیح طور پر نیک سیرت ہے۔ لیکن اس قسم کے عقیدے کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اخلاقیات کو واجب الوجود پر نہیں عائد کیا جا سکتا۔ اور اس کے ہوتے ہوئے یہ مسئلہ اور مسائل سے بدترین نہیں ہوتا“ +

بُرائی کے یہ تمام مافوق الطبعی نظریے اس کی پُوری حقیقت کو سمجھنے کے لئے ناکافی ہیں۔ اور اس مضمون کے بارے میں اُن کی تشریحات سطحی اور غیر تسلی بخش ہیں +

۶۔ **مسئلۂ گناہ اور افلاطُون**:۔ افلاطُون بُرائی کو جسمانی عنصر یعنی جسمِ انسانی سے منسُوب کرتا ہے۔ جو غلط جذبات کو اُبھارتا ہے اور اخلاقی بُرائی کا مُوجب ہے۔ افلاطُون اور ارسطُو کے نزدیک خُدا دُنیا کا خالق نہیں بلکہ مُوجد اور دستکار ہے۔ جس نے دُنیا کو اُس خام مادے سے تشکیل کیا۔ جو اُس سے الگ اور ازل سے موجود تھا۔ فلاسطی اس تصور کو ایک قدم اور آگے لے گئے ہیں۔ اور یہ تعلیم دی کہ مادی دُنیا خُدا نے نہیں بلکہ اُس سے ادنٰے ہستی نے بنائی ہے۔ جو دیمرج

کہلاتا ہے۔ اِس سے خُدا کی نیکی تو محفُوظ ہو گئی۔ پر اُس کا مُطلق ہونا دب گیا۔ اِس طور سے دو ازلی مانے گئے۔ یعنی خُدا اور دیمرج۔ بعد میں پلاطینُس جو افلاطُون کا پَیرو تھا۔ بُرائی کو زیادہ صفائی سے مادے سے منسُوب کرتا ہے۔ اُس کا خیال تھا۔ کہ مادہ لازمی طور پر بُرا اور ہر بُرائی کا منبع ہے۔ بُرائی مادے اور انسانی جسم میں موروثی ہے۔ لیکن پلاطینُس نے یہ تشریح نہیں کی۔ کہ مادے کی مانند ایک لااخلاقی ہستی کس طرح بُرائی کی جڑ ہو سکتی ہے۔ جو لازمی طور پر اخلاقی بگاڑ ہے۔ مادہ بذاتِ خود غیر جانبدار ہے۔ یہ نیکی اور بُرائی دونو کا ہتھیار بن سکتا ہے۔ چاقو دُوسروں کو نقصان پہنچانے یہاں تک کہ قتل کرنے کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ اور یہی چاقو ایک اچھے جرّاح کے ہاتھ میں اوروں کو بیماری سے شفا دینے کے لئے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ اِسی طرح ہمارا بدن بُرائی کے لئے بُرے جذبات کا ہتھیار بن سکتا ہے۔ یا دُوسروں کی پُرخلوص خدمت کرنے کے لئے حربہ بھی ہو سکتا ہے۔

۷۔ مادے کے موروثی طور پر بُرے ہونے کا تصور جھوٹی نفسیات پر مبنی ہے۔ لوگوں کا خیال جسمانی اعضاء کے متعلق یہ تھا کہ یہ نفسی کام کے لئے وقف کئے گئے ہیں۔ یعنی دل۔ محبت اور نفرت پیدا کرنے کے لئے انتڑیاں۔ ہمدردی۔ گُردے پوشیدہ خواہشوں کے لئے آنکھیں غرُور کے لئے۔ اس طرح وہ تمام جذبات اور احساسات اور خیالات کو نفسی یا ذہنی ینابیع سے منسُوب کرتے تھے۔ یقینی طور پر ہمارے اعضاء ہمارے جذبات سے متاثر تو ضرور ہوتے ہیں لیکن وہ ہمارے خیالات اور جذبات کے ینابیع نہیں ہو سکتے۔ میرا خیال ہے کہ معدہ مجھ

میں بھوک کے احساس کو پیدا کرسکتا ہے۔ لیکن مجھ کو مجبور نہیں کرسکتا کہ
دُوسروں سے خوراک چُراؤں۔ اور اگر چُرا بھی لُوں تو اپنے معدہ کو اس کا ذمہ دار
نہیں سمجھ سکتا۔ اگر میں ایک آدمی کو چاقو بھونک دُوں۔ تو اپنے ہاتھوں کو
اِس کام کے لئے الزام نہیں دے سکتا۔ جہاں تک ہمارے خیالات
اور افعال کا تعلّق ہے۔ جسمانی اعضا اُن کے مُعاون تو ہو سکتے ہیں لیکن
مُوجد نہیں۔ اِس لئے بُرائی مادہ یا جسم سے منسوب نہیں کی جاسکتی۔
اِس لئے اصل یا منبع کی تلاش کہیں اور ہی کرنی ہے +

مسئلۂ گُناہ کا مذہبی یا شرعی حل:۔

۸۔ خُدا اور گُناہ۔ بعض دینی مفکّرین نے گُناہ کو خُدا سے منسوب
کیا ہے۔ خُدا قادرِ مُطلق ہے۔ اس لئے وہ ہر ایک چیز کا باعث اور مبداء
ہے۔ جو دُنیا میں ہوتی ہے۔ خواہ بُری ہو یا بھلی۔ خُدا کے سوا کوئی اور
خالق نہیں۔ اِس لئے اُس کی مخلوق کے سب کام اُس سے ہی خلق ہوتے
یہ عام خیال فلسفیانہ اور عملی طور پر درست ہے۔ اور انسانی ترقی کے لئے
بہت مضرّت رساں۔ اوّل تو یہ قُدرتِ مطلقہ کے متعلق غلط تصوّر پر
مبنی ہے۔ قُدرتِ مطلقہ کا مطلب اَن ہونی کرنا نہیں۔ جو کسی مقصد
اور اصُول سے خالی ہو۔ قوّت اور طاقت کے یہ معنی نہیں۔ کہ جب جی چاہے
کسی کو مار لیا یا پیس لیا جائے۔ اس طرح تو دیوانہ ہی کرسکتا ہے۔ اور
یقیناً خُدا اِس قسم کا نہیں۔ خُدا ذی عقل ہے۔ اور عقلی اصُولوں کے
مطابق عمل کرتا ہے۔ یہ بات تصوّر میں ہی نہیں آسکتی کہ خُدا خلافِ
عقل عمل کرتا ہے۔ کیونکہ اس طرح تو وہ اپنی ہی فطرت کی تردید کریگا۔
خُدا کا ہر کام کسی نہ کسی مقصد سے ہوتا ہے۔ اور ہمیں اُس کی قُدرتِ

مطلقہ کو اِس طور سے سمجھنا چاہئے۔ کہ یہ وہ طاقت ہے جس سے وہ اپنا
مقصد پُورا کرتا ہے۔

لیکن اس کے متعلق کچھ اور بھی ہے۔ خُدا کا بُنیادی اور اساسی
مقصد صرف راست ہی ہوگا۔ وہ بُرا نہیں ہو سکتا۔ خُدا دنیا کی بُنیاد
ہے۔ اور اُس سے بُرائی کو منسوب کرنا تمام دُنیا کو ابتری میں ڈالنا ہے۔
اگر دُنیا میں کوئی مقصد نہیں ہے۔ اور اگر وہ مقصد اچھا نہیں ہے۔
تو انسانی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کوئی محرّک نہیں ہو سکتا۔ ہم بُرائی
کی طاقتوں کی گرفت میں ہیں۔ اور ہمارا نتیجہ اندھی تقدیر کے سامنے
جس کا انجام قہر ہے سرِ تسلیم خم کرنا ہوگا۔ بلاشُبہ دُنیا کی بہت سی اقوام
کے زوال کا یہی سب سے بڑا باعث تھا۔ اُن کا یہ یقین نہیں۔ کہ ہماری
زندگی کا کوئی مقصد ہے۔ اور کہ وہ مقصد نیک ہے۔ اُن کو یقین نہیں
کہ خُدا نے اُن کو ایک بابرکت زندگی کے لئے خلق کیا ہے۔ اِس لئے وہ بلند تر
اور بہتر کو تلاش نہیں کرتے۔ زندگی کی دُشواریوں کا سامنا کرنے کے لئے
وہ اپنے آپ کو بے بس محسُوس کرتے ہیں۔ پس خود کو اپنی بدبخت تقدیر کے
حوالے کر دیتے ہیں +

۹۔ **گُناہ اور خُدا کی قُدرتِ مُطلقہ**:۔ قُدرتِ مُطلقہ کو اِس طور
سے سمجھنا کہ خُدا ہر اچھے اور بُرے واقعہ کا باعث ہے۔ انسانی تجربہ کی
حقیقتوں کے سامنے صحیح اور درست نہیں۔ زندگی میں ہر ایک چیز کو یہ
سمجھ کر کہ یہ خُدا کی مرضی کا صاف ظہور ہے۔ چُپ چاپ اور صبر سے تسلیم
کر لینا اور یہ سوچ لینا کہ ہماری زندگی کا ایک کڑا اور پہلے سے مقرر شدہ
طریقِ کار ازل سے متعیّن کر دیا گیا ہے۔ محدُود انسانی دماغ کا رویّہ ہے۔

تاکہ اپنے آپ کو اپنے بُرے کاموں سے سبکدوش کرے۔ اور اپنے کندھوں سے ذمہ داری کے جُوئے کو اُتار پھینکے۔ لیکن کوئی انسان جو گُناہ کو چُن لے یہ معذرت پیش نہیں کر سکتا۔ کہ خُدا چاہتا تھا۔ کہ میں ایسا کروں۔ کوئی آدمی جو دُوسرے کو پیچھے سے آکر چھُرا بھونک دے ایمانداری سے یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ "میں نے مارا پر خُدا نے مار ڈالا"۔ ہم افسوس کرتے اور دیکھتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ ہم اپنے بُرے کاموں کے خود ہی ذمہ دار ہیں اور اُنہیں دوسرے لوگوں یا حالات یا خاص کر خُدا سے منسوب کرنا سراسر بے انصافی ہے ✦

طبعی واقعات کے معاملے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ گندہ پانی پینا۔ خراب غذا کھانا۔ اور صحت کے اصولوں کی طرف سے لاپرواہی برتنا اور پھر بیمار ہونا۔ اور یہ کہنا کہ اگر خُدا چاہتا تو اِس بیماری کو روک سکتا تھا۔ بالکل بچپنا ہے۔ دُنیا کے کچھ ایسے خطے بھی ہیں۔ جو زلزلے کے اثر کو قبول کرتے ہیں۔ ایسی جگہوں میں کمزور نیو ڈال کر ردّی مصالحہ سے بلند عمارت تعمیر کرنا اور جب وہ زلزلے سے ہلا دی جائے۔ اور گر پڑے۔ تو یہ کہنا کہ یہ خُدا کی مرضی تھی یقیناً بے انصافی ہے۔ اگر ایک آدمی اُونچی دیوار پر ٹوٹی پھوٹی سیڑھی سے چڑھنے کی کوشش کرے۔ اور گر کر خود کو چوٹ لگا لے۔ تو وہ اِس کے لئے خُدا پر الزام نہیں دے سکتا۔ گویا خُدا اُسے چوٹ کھانے سے بچا سکتا تھا۔ اگر ایک آدمی جو تیرنا نہیں جانتا۔ خطرناک سمندر میں تیرنے کی کوشش کرے۔ اور ڈُوب جائے۔ تو وہ کس طرح اپنی بے احتیاطی سے خود کو بری کر سکتا ہے۔ اور اِس کا خُدا کو ذمہ دار ٹھہرا سکتا ہے۔ خُدا تمام طبعی واقعات کا بلا واسطہ موجب نہیں۔

ہم بھی تو ذمہ دار ہیں ✦

۱۰۔ اِنسان کی آزادی اور خُدا کی مرضی۔ یہ ہمیں فطرتی طور پر اِنسان کی آزادی سے خُدا کی مرضی کے تعلق کے اور زیادہ مُشکل سوال کی طرف لے جاتا ہے۔ اِس سلسلہ میں دو انتہائی رُخ ہیں۔ ایک تو خُدا کی مرضی مطلق پر زور دیتا ہُوا۔ اور سب باتوں کو انسان کی مرضی سمیت محو کر دیتا ہے۔ اور دُوسرا انسان کی آزادی سے شروع ہوتا ہے۔ اور اُس کو خُدا کے خلاف ایک حریف طاقت بنا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ دو نو خیال غلط ہیں۔ نہ ہی انسان کامل طور پر آزاد ہے۔ اور نہ ہی اُس کی آزادی کو ہم برطرف کر کے اُسے خُدا کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا سکتے ہیں۔ آدمی اپنی آزادی کی خُوبی سے مزین ہو کر تمام مخلوق میں لاثانی ہے۔ آدمی انتخاب کرنے کے لئے آزاد تو ہے لیکن اس کے ساتھ اخلاق کی شرط بھی ہے۔ آدمی کے پاس بھلائی اور بُرائی راستبازی اور ناراستی کے لئے ایک اندرونی احساس ہے۔ جو باطن میں خُدا کی آواز ہے۔ اور آدمی کو لازم ہے۔ کہ اپنے انتخاب میں اِس اندرونی آواز کی تحریک کا خیال رکھے۔ ورنہ وہ اپنی آزادی کھو بیٹھیگا۔ اور اپنے جذبات کا غلام بن جاتا ہے۔ انسان کی مرضی کو اساسی طور پر خُدا کی مرضی کے مختلف خیال کرنے سے اس سوال میں مشکل پیدا ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ خُدا قادرِ مطلق ہے۔ انسان کی مرضی کا دب جانا لازمی ہے۔ اِس معاملے کو اِس نظر سے دیکھنا درست نہیں ہے۔ لازمی طور پر انسان کی مرضی اور خُدا کی مرضی ایک دُوسری کے مخالف نہیں ہے۔ جب انسان فی الحقیقت خود کو سمجھتا ہے۔ تو وہ آزاد ہے۔ اور اُس کی مرضی اور خُدا کی مرضی ایک ہے۔ انسان کے ذاتی انتخاب بھی خُدا ہی کی مرضی ہیں۔ اس طرح آدمی

کی کامل آزادی خُدا کی قدرتِ مُطلقہ کی ہم آہنگ ہے۔ یہ آدمی کی آزادی کو محفوظ رکھتی ہے۔ اور خُدا کی مرضی کو ہماری زندگی میں پُورا بھی کرتی ہے۔ صرف جب ہم بُرے ارادے سے عمل کرتے ہیں۔ تب ہی ہم خود کو خُدا کے خلاف محسوس کرتے ہیں۔ خُدا کا مقصد یہ ہے۔ کہ ہم اِس آزادی کو درست طور پر استعمال کریں۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اُس کی مرضی کے مطابق عمل کریں۔ جب دو شخص مرضی کی مطابقت کے موافق انتخاب کرتے ہیں۔ تو وہ خود کو آزاد اور نیک، دوسرے کے ساتھ ایک محسوس کرتے ہیں۔ بعینہٖ یہی حال خُدا اور انسان کے تعلق کا ہے۔ یہ کہنا متضاد نہیں کہ "یہ میرا انتخاب ہے، تو بھی یہ کلیتاً خُدا کی مرضی ہے"۔ خُدا کی مرضی ہماری تسخیر نہیں۔ بلکہ آزادی ہے۔ جو اُس کی مرضی کو تسلیم کرنے سے عنایت کی گئی ہے۔ انسان صرف اُس وقت ہی آزاد ہے۔ جب وہ ایسی باتوں کا انتخاب کرتا ہے۔ جو درست، اچھی اور باعزت ہیں۔ اور نیک، اور راست کے متعلق ہمارا احساس باطن میں خُدا کی آواز ہے۔

ابھی مشکل ترین سوال باقی ہے۔ انسان ہمیشہ باطن میں خُدا کی آواز کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ ایسے انتخاب کرتے ہیں جو باطن میں خُدا کی آواز کے مخالف ہوتے ہیں۔ انسان خُدا کے مقاصد کی مخالفت کرتے ہیں اسے ہم اخلاقی بُرائی یا گُناہ کہتے ہیں۔ اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ حکومت تو خُدا کرتا ہو۔ اور پھر بھی ہم گُناہ کرتے ہیں۔ کیا خُدا انسان کو آزاد رکھ کر گُناہ کرنے کے ناقابل نہیں تخلیق کر سکتا تھا۔ اِس سوال کا جواب انسان کی تخلیق میں خُدا کے مقصد میں پایا جاتا ہے۔ جو صفت آدمیوں کو اور تمام مخلوق سے ممیّز کرتی ہے۔ اُن کی اخلاقی قابلیت ہے۔

آدمی لازمی طور پر اخلاقی ہستی ہے۔ اور نیکی سچائی اور محبت کے لئے خلق کیا گیا ہے۔ انسانی شخصیت کا معیار اخلاقی کاملیت ہے۔ اور اخلاقی کاملیت کو محض قدرتِ مُطلق کے لفظ سے پُوری طرح نہیں سمجھا جا سکتا یہ صرف اخلاقی فاعل کے تجربوں سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ جو کہ آزادی کی خوبی سے مزیّن کیا گیا ہے۔ خُدا بہت سے خُدا نہیں خلق کر سکتا۔ اخلاقی نیکی اِس طرح نہیں تخلیق کی جا سکتی۔ یہ صرف تجربہ اور نشو و نما سے حاصل ہو سکتی ہے۔ آدمی آزاد فاعل کے طور پر اس کے مطابق زندگی بسر کریں اور صحیح انتخاب کرنا سیکھیں۔ آدمی امتیازی حیثیت کے لئے خلق کیا گیا ہے۔ جیسے اخلاقی قابلیت اور آزادی سے آراستہ کیا گیا وہی امتیازی خاصہ کے لئے آدمی میں اخلاقی قابلیت اور اُس کے عمل میں آزادی ضروری امر ہے۔ رُوحانی ترقی میں آزادی کی ضرورت ہے۔ آزادی کے بغیر اخلاقی ترقی بھی نہیں ہو سکتی۔ ہماری ارادہ وتش گھڑی کی کل کی حرکتوں کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ گھڑی میں کوئی اخلاقی نیکی اور ترقی نہیں خواہ یہ کتنا ہی صحیح وقت دیتی ہو۔ خُدا کا مقصد ہمیں کل بنانے کا نہیں۔ جس میں غلطی کرنے کا امکان ہی نہ ہو بلکہ ایک شخصیت بنانے کا۔ شخصیت پیدا نہیں ہوتی نہ ہی تیار شدہ کسی کو دی جاتی ہے۔ بلکہ بنائی جاتی ہے۔ یہ صرف اخلاقی کوششوں اور رُوحانی ترقی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اس میں غلط انتخاب کے شامل ہونے کا امکان ہے۔ اور نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ دُنیا میں اخلاقی گُناہ پیدا ہُوا۔ ترقی کے لئے ضرور ہے۔ کہ آدمی آزمائشوں کا مقابلہ کرے یہ ہے وہ قیمت جو آزاد شخصیت کی تخلیق کے لئے ادا کی جاتی ہے۔ یہ امر متناقض معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اِس قولِ متناقض کا جواب یہ ہے۔ کہ

آدمی ایک آزاد فاعل ہے۔ اور یہ آزادی اُسے کاملیت میں ترقی کرنے کو دی گئی ہے
حیاتِ انسانی میں ایک بہترین بات یہ ہے۔ کہ بُرائی کے خلاف جدوجہد کریں۔
اور اُس پر غالب آئیں۔ ہماری آزادی کی بنا عیاشی اور آوارگی نہیں۔ بلکہ بدی پر
اخلاقی فتح ہے۔ اگر انسان اپنی آزادی کی بخشش کا ٹھیک استعمال نہیں کرتا
تو وہ اپنے اخلاقی ہستی ہونے کے مقصد کو کھو بیٹھتا اور اپنی شخصیت کو برباد کر دیتا ہے۔

۱۳۔ **اختتامی الفاظ**:۔ غالباً ہم کبھی بھی بُرائی کے اصلی منبع کو پوری طرح
نہ سمجھ سکینگے۔ تو بھی اتنا تو یقینی ہے۔ کہ دُنیا میں بُرائی کے لئے زیادہ تر انسان خود
ہی ذمہ دار ہے۔ خُدا نے ہر ایک اچھی بخشش اتنی دی ہے۔ جو ہر ایک کو خوش رکھنے
کے لئے کافی ہے۔ لیکن یہ انسان کا لالچ اور ہوس ہے۔ جس نے لاکھوں کے لئے
زندگی کو اجیرن بنا دیا ہے۔ اگر دُنیا میں ناانصافی مُصیبت اور خُون ہے۔ تو یقیناً
آدمی اس کا ذمہ دار ہے۔ خُدا پر یا کسی اور مخلوق پر اس کا الزام دھرنا درست
نہیں۔ بُرائی یا گُناہ کا منبع باہر نہیں بلکہ ہمارے اندر ہی ہے۔ وہ قومیں جو بُرائی
کو بُری رُوحوں۔ دیوتاؤں یا خُداؤں یعنی ایسی طاقتوں سے منسوب کرتی ہیں
جو اُن کے قبضے سے باہر ہیں۔ اور اپنی ذمہ داری سے جی چُراتی ہیں وہ اپنے آپ
کو بُرائی سے مقابلہ کرنے کے نااہل پاتی ہیں۔ اور اسی لئے وہ پیچھے رہ گئیں اور
تنزل پذیر ہوئی ہیں۔ زندگی کو بہتر بنانے اور ترقی کرنے کے لئے لازم ہے کہ ہم
اپنے بُرے کاموں کے لئے ذمہ داری کو محسُوس کریں۔ اور بدی کے بارے میں قیاس
آرائیاں کرنے اور اپنے آپ کو سبکدوش کرنے کے بہانے تلاش کرنے کی بجائے
لازم ہے کہ ہم کوشش میں لگے رہیں۔ تاوقتیکہ تمام بُرائی اور گُناہ نکل جائے
اور دُنیا اطمینان اور شادمانی سے لُطف اندوز ہو سکے۔

(پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس میں باہتمام پادری ... سیکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور چھپ کر شائع ہوا)

پروفیسر لطفی لیوینان صاحب کی دوسری تصانیف

گناہ کیا ہے؟ ص۲۴ قیمت ار	مذہب میں منبع قدرت ص۱۸ قیمت ار
ابتدائے مذہب ص۱۸ 〃 ار	مقصدِ حیات ص۱۸ 〃 ار
حریت - ص۱۶ 〃 ار	مکاشفہ ص۲۴ 〃 ار
کیا مذہب کی ضرورت ہے؟ ص۲۰ .. .. .. ار	
خدا کون ہے؟ ص۲۴ .. .. .. ار	
مذہب و سائنس ص۱۶ قیمت ار	مذہب اور امن و صلح ص۱۶ 〃 ار
یسوع اور نبی آدم ص۲۰ 〃 ار	راستی کیا ہے؟ ص۲۰ 〃 ار
مذہب اور اخلاق ص۲۴ ار	خدا کی پروردگاری کیا ہے؟ ص۲۰ ار
مذہب اور معاشری مسائل ص۱۶ .. .. قیمت ار	
مذہب میں عقل کا درجہ ص۱۸ .. 〃 ار	
خودداری ص۱۸ قیمت ار	تاریخ کا مفہوم کیا ہے؟ ص۲۰ 〃 ار
مذہب کا معیار ص۲۴ 〃 ار	
معجزہ کیا ہے؟ ص۲۰ 〃 ار	مذہب کیا ہے؟ ص۱۶ ار
خدا پر ایمان رکھنا کیا ہے؟ ص۱۶ ار	مذہب اور دعا ص۲۴ ار
مذہب میں اختیار و اقتدار ص۲۰ .. .. قیمت ار	

ملنے کا پتہ: پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور